18. M. HABIBUR REHMAN SAHIB,
Hony. Secretary,
Anjuman Taraqqi-e-Urdu,
Himayat Nagar,
HYDERABAD (DECCAN).

تار کا پتہ
انجمن علی گڑھ

رجسٹرڈ نمبر ایل ۹۲۳
ٹیلیفون نمبر ۲۹

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

فی پرچہ دو آنے | سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۴ | ۱۵ ستمبر ۱۹۵۵ء | ایڈیٹر: قاضی عبدالغفار | ۲۷ محرم الحرام ۱۳۷۵ھ | نمبر ۱۸

دو سرکاری زبانیں

دو سال ہوئے جب مدھیہ پردیش کی حکومت نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہاں دو سرکاری زبانیں یعنی ہندی اور مرہٹی بیک وقت تسلیم کی جائیں گی۔ اب خبر آئی ہے کہ پنجاب میں بھی یہ فیصلہ کیا جا رہا ہے کہ وہاں ہندی اور پنجابی دو سرکاری زبانیں تسلیم کی جائیں مگر اتر پردیش میں بہ یک وقت دو سرکاری زبانوں یا بلکہ زبان کے ساتھ علاقائی زبان کا نام لینا گناہ کبیرہ ہے۔ منجملہ بہت عذرات کے ایک عذر یہ بھی نہایت سنجیدگی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے کہ اس صورت میں حکومت کے اخراجات بڑھ جائیں گے اور نظم و نسق میں انتشار پیدا ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ اگر مدھیہ پردیش اور پنجاب میں بہ یک وقت دو سرکاری زبانوں سے حکومت پر مالی بار پڑنے کا خطرہ اور نظم و نسق میں انتشار کا اندیشہ پیدا نہیں ہوتا تو یہ کیا بات ہے کہ اتر پردیش میں سب سے زیادہ خطرے محسوس کئے جاتے ہیں۔ کیا اردو کے علاقائی زبان تسلیم کئے جانے یا مرہٹی اور پنجابی کو سرکاری حیثیت دینے میں کوئی ایسا بڑا فرق ہے اتر پردیش میں تو کسی طرح اردو کا علاقائی زبان ہونا گوارا نہیں لیکن دوسری ریاستوں میں بہ یک وقت دو دو زبانیں سرکاری تسلیم کی جاتی ہیں۔ یہ باریک فرق اگر ہماری زبان میں آجائے تو اتر پردیش میں ہندی زبان کے حامیوں کی تنگ نظری کے متعلق ہماری حیرت میں بہت اضافہ کر دے گا۔ یہ امید بے جا نہیں کہ محترم صدر جمہوریہ بھی اس صورت حال پر غور فرمانے کے بعد ہی ہماری عرض داشت کے متعلق اپنے احکام نافذ فرمائیں گے۔

اب رہا پنجاب سے اردو زبان کی جلاوطنی کا معاملہ جس کا اعلان پنجاب کے وزیر اعلیٰ مسٹر بھیم سین سچر نے حال ہی میں کیا ہے یہ فیصلہ جس کا نفاذ غالباً کچھ روز بعد ہوگا اس وسعت نظر اور بے تعصبی کا ثبوت پیش نہیں کرتا جسے ہم نے ہمیشہ شری سچر کی ذات سے منسوب کیا ہے۔ شاید بات یہ ہے کہ جب تک شری سچر محض کانگریسی لیڈر تھے ان کی وسعت قلب کا میدان وسیع تھا۔ لیکن وزیر اعلیٰ ہونے کے بعد انھیں غالباً اپنی کرسی کی حفاظت کے لئے بہت سی دوسری مصلحتوں کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ لیکن جو کچھ بھی ہو اس ناانصافی کا دھبہ ان کے دامن پر رہے گا۔ وہ انگریزی کے ساتھ اردو کو بھی ایک بدیسی زبان کی طرح ریاست سے نکال رہے ہیں۔ حالانکہ اب تک اردو علاقائی زبان کی حیثیت سے پنجابی کے ساتھ ساتھ پنجاب کی دفتری زبان تھی اور ابھی تک ہے۔ سب سے بڑا جھوٹ یہ بولا گیا ہے کہ پنجاب میں ہندی اور پنجابی علاقائی حیثیت رکھتی ہے۔ ہمیں تسلیم ہے کہ پنجابی پنجاب کی زبان ہے مگر ہندی نے کبھی وہاں کوئی علاقائی حیثیت اختیار نہیں کی۔ پنجاب کے عوام اب

بھی ہندی سے مانوس نہیں ہیں۔ کسی بھی طریقہ سے اس حقیقت کو جانچا جائے صاف معلوم ہوگا کہ شری بھچر کا یہ ادعا محض بے اصل اور بے بنیاد ہے۔ ہم پنجاب کی وزارت کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ عوام کی رائے شماری کر کے اپنے بیان کو صحیح ثابت کرے یا پھر اگر یہ ظاہر ہو کہ غلط فیصلہ کو صحیح ثابت قرار دینے کے لئے ایک سفید جھوٹ بولا گیا ہے تو اس بات کا اقرار کرے کہ اس کے نظم و نسق کی بنیاد اخلاق پر نہیں ہے۔

یہ ایک عجیب صورت حال ہے کہ زبان کے معاملے میں یونین کی ریاستوں کو اس قدر زیادہ خود مختاری حاصل ہو گئی ہے کہ وہ علاقائی زبان کے متعلق لیڈروں اور وزیروں کے شخصی تعصبات سے کام لیتی ہیں کانگریس پارٹی کے اقتدارات سے اس طرح ناجائز کام لینا درحقیقت کانگریس کے تمام اخلاقی اصولوں سے غداری اور سرکشی کرنا ہے۔

ابھی حال میں خبر آئی تھی کہ بمبئی میں بھی گجراتی زبان کے علاقے کے لوگ ہندی کے خلاف شور مچا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت ہر علاقائی زبان کے سامنے یہ خطرہ ہے کہ کہیں سرکاری اثر اور اقتدار کے تحت ان علاقوں میں ہندی اس طرح مسلط کر دی جائے (جس طرح اتر پردیش میں کیا گیا ہے) کہ علاقائی زبان کی ترقی کا میدان تنگ ہو جائے۔ باوجودیکہ صدر جمہوریہ اور وزیراعظم نہرو بار بار اپنی تقریروں میں علاقائی زبانوں کے حامیوں کو یقین دلا رہے ہیں کہ سرکاری زبان نہ تو کسی طرح کسی علاقائی زبان سے صرف اس لئے برتر ہے کہ وہ سرکاری زبان ہے اور نہ حکومت اس بات کو جائز رکھتی ہے کہ سرکاری زبان علاقائی زبانوں کے سینہ پر چڑھ بیٹھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ . . . . . . اتر پردیش کی مثال سب سے زیادہ نمایاں ہے جہاں اردو والوں کی اشک شوئی کے جو احکام دو سال پہلے جاری ہوئے تھے وہ آج تک بہت سے ماتحت افسران تک نہیں پہنچ پائے کم از کم ماتحت افسران کا بیان تو یہی ہے۔ لیکن ایسی مثالوں کی کمی نہیں جن سے حکومت کے ان ہاتھ پاؤں کی بدنیتی ترشح ہوتی ہے۔ جب حکومتوں کا یہ حال ہو کہ

بہ زبان تسبیح و در دل گاؤ خر

تو پھر چارہ کار سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ملک کے دستور کا سہارا لیا جائے اور صدر جمہوریہ سے استدعا کی جائے کہ وہ اتر پردیش کی علاقائی زبان کے حقوق کی حفاظت کے لئے اپنے اختیارات استعمال کریں۔

جوابی امور کے لئے جوابی کارڈ یا دو آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے

اردو کی تحریک عوامی سطح پر

جنرل سکریٹری صاحب کا حسب ذیل بیان جو صاحبہ الجمعیۃ کے صفحات پر شائع ہو چکا ہے

جناب اڈیٹر صاحب، الجمعیۃ دہلی۔

آپ کی ایک تازہ اشاعت میں نقیب سہارودی صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے "اردو کا مسئلہ کیسے حل ہوگا" اس مضمون میں نقیب صاحب نے میری ایک تحریر کا بھی ذکر کیا ہے جس میں میں نے لکھا تھا کہ "شاید ہم اردو کے مسئلہ کو عوامی سطح پر لانے بغیر حل نہ کر سکیں"۔ نقیب صاحب نے میرے اس نقطہ کی ترجمانی جس طرح کی ہے اس میں میرے احساسات کے پس منظر کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ جب میں کہتا ہوں کہ اردو کی تحریک ممکن ہے کہ عوامی سطح پر لائی جائے تو میرے پیش نظر نہ تو ہنگامہ اور خلاف ورزی قانون کے امکانات ہوتے ہیں اور نہ کوئی جارحانہ احتجاج جو حکومت اور عوام کے درمیان تصادم کا باعث ہو۔

انجمن ترقی اردو پچاس سال سے ایک خالص علمی اور ادبی ادارے کی حیثیت سے ٹھوس اور خاموش کام کرتی رہی۔ اس نے کبھی اردو کی حفاظت کے سوال کو عوامی سطح پر نہیں اٹھایا۔ انجمن کے کارکنوں کا ہمیشہ یہ اصول رہا کہ زبان کی ترقی کے بڑے وسائل اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت میں مرکوز رہیں لیکن گزشتہ بیس سال میں جب ہندی والوں نے آہستہ آہستہ اردو کے خلاف ایک مضبوط محاذ بنایا اور سنہ ۴۷ء کے بعد جب حکومت کے اقتدار سے بھی کام لینے کا ان کو موقع ملا اس وقت وہ کھل کر اردو دشمنی کے میدان میں آ گئے اور اردو کو خواہ مخواہ ہندی کا مد مقابل اور رقیب بنا کر ناواقف عوام کے جذبات کو بھڑکانا شروع کیا جب غور و خوض اور عرض و معروض کے تمام وسائل بیکار ثابت ہوئے تب انجمن نے بادل ناخواستہ ایک دستوری تحریک شروع کرنے کا فیصلہ کیا اور دستخطی مہم شروع کی گئی۔ یہ مہم میں ہمارے عوام تک پہنچانا ضروری تھا اردو کی تحریک کو عوامی سطح پر لے آئی اور اس میں شبہ نہیں کہ دستخطی مہم نے اردو زبان کے مسئلہ پر عوام میں جو بیداری پیدا کی ... وہ اس سے پہلے پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اب اتر پردیش کے عوام کی تائید اور ۲۰ لاکھ دستخطوں کی صورت میں رائے عامہ کی قوت ہمارے ساتھ آگئی۔

حکومتوں کے جمہوری نقطہ میں فرد و جماعت کی قدر و قیمت کا پیمانہ رائے عامہ کی وہ تائید ہوتی ہے جو کسی فرد یا جماعت کو حاصل

ہو۔ کسی شخص کی آواز میں وزن نہیں ہوتا جب تک کہ حکومتوں کو یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس شخص کے پیچھے عوام بھی ہیں۔ جمہوریت کا یہ رجحان صحیح ہو یا غلط اس سے بحث نہیں، دیکھنا صرف یہ ہے کہ ہماری اجتماعی زندگی کی قدریں بالکل بدل گئی ہیں۔ لہذا جب میں کہتا ہوں کہ اردو کی تحریک کو عوامی سطح پر لانا ہوگا تو میرے سامنے دستخطی مہم کے نتائج ہوتے ہیں، اور میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ تحریک اہل علم اور خواص کے حلقے سے گزر کر عوام کے احساسات کو مس کرے۔ اگر ہم ابھی تک اتر پردیش کی بیس لاکھ آبادی تک اردو کی آواز کو پہنچا سکے ہیں تو اب ہمیں اس کو اسی لاکھ تک پہنچانے کی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔ جس قدر عوام کی تائید ہمارے ساتھ زیادہ ہوگی اتنا ہی ہماری آواز میں وزن زیادہ ہوگا اور اسی قدر زیادہ حکومتیں ہمارے جائز مطالبات کو سننے پر آمادہ ہوں گی

میں حیران ہوں کہ جب میں عوامی سطح کا ذکر کرتا ہوں تو بعض دوستوں کے تصورات فضا ہی ایک چھلانگ لگا کر سیتہ گرہ یا خلاف ورزی قانون یا سیاسی شورش تک کیوں پہنچ جاتے ہیں۔ جو اصحاب ان خطوط پر سوچتے ہیں ان کے دلوں کے کسی گوشے میں یہ خوف جاگزیں معلوم ہوتا ہے کہ کہیں حکومت سے تصادم نہ ہو جائے۔ ساتھ ہی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ حکومت کی سرپرستی کے بغیر اردو زبان کی حفاظت اب ناممکن ہوگی۔ میں اس عقیدے کا منکر ہوں جہاں تک تحت الشعور میں اس قسم کے احساسات متحرک رہیں گے اردو کے مسئلے کے متعلق صحیح نقطۂ نظر پیدا نہیں ہو سکتا ہے۔ اس تمام جدوجہد میں ہمیں سب سے پہلے اسی بنیادی عقیدہ کی ضرورت ہے کہ اگر حکومتیں ہماری مدد نہ کریں گی تو ہم خود ہی اپنی مدد کریں گے۔ اگر سرکاری مدرسوں میں اردو کے لئے دروازے بند کئے جائیں گے تو ہم اپنے مکاتیب اور مدرسے قائم کر کے اپنے بچوں کو مادری زبان پڑھائیں گے۔ لیکن یہ سب کام تحریک کو عوامی سطح پر لا کر ہی کیا جا سکتا ہے میں ان چھوٹی چھوٹی مراعات کا قائل نہیں جو حکومتیں اشک شوئی کے طور پر منظور کرتی ہیں۔ اس لئے کہ ان کی نوعیت بہرحال عارضی اور ہنگامی ہے

جب بھی کوئی وزیر یا وزارت بدلے یہ سب مراعات بیک جنبش قلم منسوخ ہو سکتی ہیں۔ البتہ اردو کی حفاظت کی مضبوط ضمانت صرف یہی ہو سکتی ہے کہ ملک کے دستور کے تحت اس کی علاقائی حیثیت کو تسلیم کرایا جائے اور جب کوئی ایسی دستوری تحریک شروع کی جائے گی تو وہ صرف عوامی اور جمہوری سطح ہی سے شروع کی جا سکتی ہے۔ اگر ہمارے ملک میں جمہوریہ کے بجائے کوئی شخصی حکومت قائم ہوتی ہے تو میں مانتا ہوں کہ حقوق کے حصول کے طریقے دوسرے ہوتے لیکن جمہوریت کے ماحول میں تو یقیناً جمہوری طریقے اختیار کرنے ہوں گے یا پھر اپنے دستوری حقوق سے دست بردار ہو جانا پڑے گا۔

اس مکتوب کا مقصد کسی اخباری بحث کا شروع کرنا نہیں ہے بلکہ نقیب صاحب کی تحریر سے میرے بیان کے متعلق جو غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے اس کا سدباب کرنا ہے "عوامی سطح" کا جو انتہائی تصور انھوں نے مجھ سے منسوب کیا ہے وہ بے بنیاد ہے۔ لیکن دستوری اور جمہوری حدود کے اندر جو جدوجہد عوام کی پوری تائید کے ساتھ ہو سکتی ہے وہ سب میں چاہتا ہوں۔

ہلکے ہلکے اشارے

پنجاب کے وزیر اعلیٰ نے اپنی ریاست کے لسانی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے جو فارمولا تجویز کیا ہے اس پر ہر طرف سے واہ واہ ہو رہی ہے۔ تجویز یہ ہے کہ پنجاب کو دو لسانی علاقوں میں تقسیم کر دیا جائے ایک ہندی کا علاقہ اور ایک پنجابی کا۔ لہذا کوئی ایک ضلع بھی نہیں جس پر اردو کا علاقہ ہونے کا گمان کیا جا سکے!! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سنگھ سے پہلے کی تاریخ ہند ہم سے اتنی ہی دور ہو گئی ہے جتنی کہ مہا بھارت۔

جغرافیہ بدل گیا، تاریخ بدل گئی اور جو لوگ دس بیس برس پہلے کی بات کریں ان کو اب آوارۂ وطن ہو جانا چاہئے۔ ہندوستان کی نئی تاریخ میں اردو کا ذکر صرف اس طرح آئے گا کہ زمانہ قدیم وہ بھی تھی ایک زبان جس کے بولنے والے کچھ زیادہ مہذب نہ تھے اس لئے اس کو بھارت کے نئے جنم میں کہیں جگہ نہ مل سکی!!

احمد آباد، ۱۲ اگست مسٹر مگن بھائی ڈیسائی نے جو گاندھی طریقہ تعلیم کے ماہرین میں سے ہیں اپنے ایک بیان میں حکومت بمبئی کی اس اسکیم کی سخت نکتہ چینی کی ہے کہ ایک گجراتی بولنے والے علاقہ میں ہندی کو ذریعہ تعلیم بنایا جا رہا ہے۔

مسٹر ڈیسائی نے ڈاکٹر راجندر پرشاد کی اس تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے جس میں صدر جمہوریہ نے یقین دلایا ہے کہ ہندی کسی طبقہ پر زبردستی تھوپی نہیں جا رہی ہے اور علاقائی زبانوں کو ترقی کرنے اور پھیلنے کا پورا موقع دیا جائے گا۔ یہ کہا ہے کہ نظم ونسق چلانے اور تعلیم دینے کے لئے ذرائع کے انتخاب میں بہت ہی سمجھ بوجھ اور غور و فکر سے کام لینا چاہئے۔

صدر کانگریس مسٹر ڈھیبر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ وزیر تعلیم

لائیڈ یونیورسٹی کے طلبہ نے موصوف کا پرجوش خیر مقدم کیا اور یونین کے صدر نے اپنی تقریر میں مسٹر ڈھیبر کی اس بات پر بھی توجہ دلائی کہ صدر جمہوریہ نے ابھی تک انجمن ترقی اردو کی یادداشت پر احکام صادر نہیں کئے ہیں اور ان سے اپیل کی کہ وہ اپنے اثر اور رسوخ کو استعمال کر کے اس عوامی مطالبہ کو منظور کریں۔

—— محترم صدر نے اپنی جوابی تقریر میں لڑکوں سے بہت اچھی اچھی باتیں کہیں۔ لیکن ہمیں بتایا گیا ہے کہ وہ انجمن کی یادداشت کے حالہ کا ذکر کرنا بھول گئے!! انھوں نے کیا سوچا ہوگا۔ وہ تو ہمیں معلوم نہیں لیکن اگر انھیں زبان کے مسئلہ پر کانگریس ورکنگ کمیٹی اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی قراردادیں اور خود صدر جمہوریہ اور وزیر اعظم نہرو کی تازہ تقریریں یاد آئی ہوں گی۔ انھیں علی گڑھ میں سوچنے کا کافی مواد مل گیا ہوگا —— ہم مہاتما گاندھی کے اقوال کا تو ذکر ہی نہیں کرتے اس لئے کہ اس زمانہ کی سیاست کو مہاتما گاندھی کے اصول سے ٹکرا دینا، صدر جمہوریہ، وزیر اعظم اور صدر کانگریس سب ہی کو بے کیف کر دیتا ہوگا —— نانی اماں اور دادی اماں ہی ان پرانی کہانیوں کو سناتے سناتے رخصت ہو جائیں گی اور پھر ٹھیک ہی تو کیا معلوم کہ ہمارے آپ کے لئے ایک ہی سال بعد الیکشن کا محاذ درپیش ہوگا!!

—— جے پور سے ایک نامہ نگار نے اطلاع دی ہے کہ "مرکزی حکومت ہند کے احکام کے خلاف راجستھان گورنمنٹ نے سنسکرت کی تعلیم جملہ طلبہ کے لئے لازمی قرار دے دی ہے۔ بدیں وجہ اسکول کے ان بچوں کو جن کی مادری زبان اردو ہے بڑی دقت و دشواری پیش آرہی ہے ......"

—— راجستھان کی حکومت زیادہ ترقی پسند معلوم ہوتی ہے وہ ہندی پر اکتفا کرنے کے بجائے سنسکرت کو لازمی قرار دینا قدیم کلچر کے نشو و نما کے لئے ضروری سمجھتی ہے!! اور بات بھی ٹھیک ہے! سنسکرت کبھی عوام کی زبان نہ تھی۔ اب راجستھان کی حکومت اس تاریخی حقیقت کو رد کرنا چاہتی ہے!

—— سرکاری زبان کے کمیشن کے معزز رکن ڈاکٹر چٹرجی نے فرمایا کہ ہر ہندوستانی کو چار زبانیں سیکھنی چاہئیں۔ علاوہ ہندی کے ہر شخص کو اپنی علاقائی زبان، سنسکرت اور انگریزی سیکھنا ضروری ہے۔

—— یعنی ہندی سرکاری ملازمت حاصل کرنے کے لئے

—— علاقائی زبان، مقامی کلچر کی حفاظت کے لئے۔

—— انگریزی بین الاقوامی تعلقات پیدا کرنے کے لئے۔

—— اور سنسکرت گزشتہ مردوں سے تعلق خاطر قائم کرنے کے لئے!!

—— صدق جدید (لکھنؤ) "خوب انصاف تری انجمن ناز میں ہے" کے عنوان کے تحت لکھتا ہے:۔

"۱۹۵۲ء میں جب دہلی اسمبلی میں (جو اب دہلی ودھان سبھا کہلاتی ہے) تو اس کے قواعد میں اردو، ہندی، انگریزی تینوں زبانوں کو تسلیم کیا گیا تھا۔ لیکن عملاً اس کی خلاف ورزی ہوئی یعنی اسمبلی کی کارروائی جب شائع ہوئی تو ہندی اور انگریزی رسم الخط میں اور ڈائرکٹر محکمہ تعلقات عامہ کے ہاں جتنے پریس نوٹ شائع ہوتے ہیں وہ یا تو ہندی میں یا انگریزی میں حکومت دہلی کے سکریٹریٹ میں اور دہلی میونسپل کمیٹی کے دفتروں میں یا انگریزی سائن بورڈ نظر آتے ہیں یا ہندی کے اور اردو کا یہ حال ہے کہ:

یوں مٹا دیا گویا کہ نقش باطل تھا

یہی کیفیت دہلی میونسپلٹی کی ہے۔ سڑکوں کے نام یا انگریزی میں ملتے ہیں یا ہندی میں۔ ہونا چاہئے تھا کہ انگریزی کی جگہ ہندی لے۔ لیکن ہو یہ رہا ہے کہ اردو کی جگہ ہندی لے رہی ہے"

اور اردو کے حقوق پر یہ کھلا ہوا ڈاکہ دن دہاڑے عین راجدھانی میں عین جواہر لال کی نظروں کے سامنے پڑ رہا ہے اور وہ داد رسی سے شاید اپنے کو بالکل معذور پا رہے ہیں —— اور پھر ایسا ہی کھلا ہوا اندھیر علی گڑھ ریلوے اسٹیشن پر عین انجمن ترقی اردو کے زیر سایہ برپا ہے! ؎

خوب انصاف تری انجمن ناز میں ہے

شمع کا رنگ ہے خون ہو پروانہ کا!

—— یہ اندھیر نہیں بلکہ اجالا علی گڑھ سے دریا باد تک لکھنؤ کو روشنی اور دل کو سرور بخش رہا ہے! —— جس انجمن ناز میں انصاف کی کوئی جھلک نظر آئے تو پھر وہ انجمن ناز ہی کیا! وہ تو انجمن نیاز ہو جائے گی!!

ادبی قومی تذکرے

پنڈت کشن پرشاد کول کے مضامین کا دوسرا مجموعہ ہے۔ جس میں وہ ادبی مضامین ہیں جن کا مطالعہ اردو ادب اور اس کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے بے حد مفید ہے بلکہ ان کی معلومات میں اضافہ کا سبب بھی ہوگا۔ قیمت مجلد تین روپے۔

انجمن کی خبریں

بالاپور (برار) بالاپور، ۱۴ اگست ۱۹۵۵ء شری برج لال بیانی وزیر مال حکومت مدھیہ پردیش حسب پروگرام حضرت مولوی سید شاہ امام الاسلام صاحب نقش بندی سجادہ نشین خانقاہ شریف نقشبندیہ بالاپور (برار) سے ملنے ٹھیک ساڑھے چار بجے بہ معیت جناب عبدالوحید خاں صاحب ڈپٹی کمشنر آکولہ خانقاہ شریف پہنچے۔

صدر دروازہ خانقاہ "باب الرحمت" پر جناب ہادی نقش بندی صاحب معتمد اور شریف نقش بندی صاحب منیجر خانقاہ نے جناب محمد محب الحق صاحب ایڈوکیٹ اور جناب خطیب مرزا یونس بیگ صاحب وغیرہ نے خیر مقدم کیا اور ممدوح ان اصحاب کے ساتھ دیگر مہمانوں سے ہادی لاج میں نصف گھنٹہ تک مصروف تکلم رہے۔ بعدہٗ عنایت منزل میں حضرت سجادہ صاحب قبلہ کے ساتھ شریک عصرانہ ہوئے جس میں پچاس ساٹھ مہمان تھے۔

ختم عصرانہ پر "ہادی لاج" میں باجازت صاحب سجادہ گل پوشی سے قبل جناب ہادی نقشبندی نے وزیر مال کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"بھائی جی! آج سے ٹھیک اٹھارہ سال قبل "اردو ہفتہ" اگست ۱۹۳۷ء میں بہ حیثیت صدر انجمن ترقی اردو بالاپور آپ کا سواگت کیا تھا۔ اور آج بہ حیثیت معتمد خانقاہ اس مرکز مذہب و ثقافت میں آپ کا خیر مقدم کر رہا ہوں۔"

"بھائی جی! گزشتہ سال، مدھیہ پردیش انجمن ترقی اردو کے "اردو ہندی ہفتہ" کی صدارت کرتے ہوئے آپ نے ناگپور کارپوریشن کے اردو مدارس کے بند کئے جانے کے سلسلے میں ہماری تائید میں جن حوصلہ افزا الفاظ سے ہماری مدد و اعانت کی تھی اس کے لئے میں بہ حیثیت انجمن کے ایک ذمہ دار عہدہ دار، مجلس عاملہ انجمن کی جانب سے ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہوں۔"

"اس موقع پر شکایتاً نہیں بلکہ اظہار واقعہ کے طور پر یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ حکومت مدھیہ پردیش ۱۹۵۲ء سے اس خانقاہ کی ادائی خدمت کی جاگیرات کی آمدنی بالکلیہ حاصل کر رہی ہے اور صاحب سجادہ کو ایک حبہ بھی ادا نہیں ہو رہا ہے۔ بہرکیف میں آپ کی اس تشریف آوری پر سراپا سپاس اور ممنون ہوں۔"

بعد گل پوشی بیانی جی نے صاحب سجادہ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"گزشتہ سال مدھیہ پردیش انجمن ترقی اردو کے "اردو ہندی ہفتہ" کی صدارتی تقریر کرتے ہوئے کارپوریشن کے اردو مدارس کے بند کئے جانے کے سلسلہ میں میں نے جو احتجاج اور انجمن سے اپنی امداد و اعانت کا وعدہ کیا تھا، اس کا ہادی بھائی نے انجمن کی جانب سے شکریہ ادا کیا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ کارپوریشن نے میری بات پر دھیان دے کر جو اردو مدرسہ بند کئے تھے دوبارہ کھول دئے ہیں۔۔۔۔

میں مسلمان بھائیوں کو بتلانا چاہتا ہوں کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے بلکہ ان تمام ہندوؤں، سکھوں اور پارسیوں کی زبان ہے جو اسے بولتے ہیں۔ پنجاب، دہلی اور یوپی کے ہندو و سکھ، مدھیہ پردیش کے مسلمانوں سے بہتر اردو بولتے ہیں لکھتے ہیں۔ حکومت مدھیہ پردیش جب اور جہاں کہیں اردو پڑھنے والوں کی کافی تعداد دیکھے گی اردو مدرسہ کھولے گی۔ ہندی سرکاری بھاشا ہے۔ اس کا سیکھنا سب پر لازم ہے لیکن اس کی وجہ سے دوسری بھاشاؤں کی رکھشا میں کمی نہ ہوگی۔"

• خانقاہ میں کچھ دیر قیام کرنے کے بعد بیانی جی نیو انگلش ہائی اسکول کے ملاحظے کے لئے تشریف لے گئے۔ اس موقع پر بیانی جی کی اس مدرسہ میں پہلی سرکاری آمد کی یادگار میں جناب ہادی نقشبندی صاحب نے مدرسہ کو یکصد روپیہ کا عطیہ دیا۔

لکھنؤ محمد حسن صدیقی صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ لکھنؤ میونسپل بورڈ کے شعبہ تعلیم نے حسب ذیل گشتی مراسلہ پرائمری اسکولوں میں جاری کی ہے۔

بیسک اسکول میں صوبائی مادری زبان کے بارے میں وقت وقت پر آپ کو اطلاع دی جاتی رہی ہے۔ اب پھر دوبارہ آپ کو

اطلاع دی جاتی ہے کہ

(۱) بیسک اسکولوں میں طلبا کو ان کی منتخب کی ہوئی مادری زبان میں تعلیم دی جائے۔

(۲) مادری زبان وہی ہوگی جس کو سرپرست فارم داخلہ میں لکھیں گے

(۳) مادری زبان کے بارے میں ہر لڑکے کے سرپرست سے ایک تحریر ایک گواہ کے ساتھ حاصل کیا جائیگا۔ جو سرپرست خود نہ لکھ سکیں اس کی تصدیق کسی معزز شخص کے ذریعہ ہونی چاہئے۔

(۴) مندرجہ بالا گواہی طلبا کے معزز سرپرست سے لی جائے گی۔

(۵) اگر طالب علم کی مادری زبان ہندی کے علاوہ اور کوئی دوسری ہو تو درجہ اول تا درجہ دوم، سوئم تک مادری زبان میں درجہ دوم کے بعد سے مادری زبان کے ساتھ ساتھ ہندی زبان کی تعلیم ضروری ہوگی درجہ پنجم سے ایسے طلبا کو ہندی زبان اتنی معلوم ہونا چاہئے۔ جتنی درجہ سوئم کے ہندی طلبا کی ہوتی یعنی درجہ پنجم سے ہندی مادری زبان والے طلبا اور اردو مادری زبان والے طلبا کا ہندی کا کورس برابر ہوگا۔

(۶) مندرجہ بالا باتوں کی تحریری اطلاع ۔ سی تک اسسٹنٹ افسر کے سامنے پیش کیا جائے

شبیہ دستخط

ک۔ این۔ کول

سپرنٹنڈنٹ شعبہ میونسپل بورڈ لکھنؤ

ویل سہائے سپرنٹنڈنٹ شعبہ تعلیم نسواں میونسپل بورڈ

ساگر ساگر ۱۰ر اگست ۱۹۵۵ء آج شب میں بعد نماز عشا شفیع منزل میں ایک خاص اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے جناب عبدالرحمٰن صاحب فاروقی ممبر، ایم۔ پی انجمن ترقی اردو نے کہا کہ اردو کی ترقی کے لئے اس زمانے میں اجتماعی کوشش کی ضرورت ہے اس کے لئے ایک ترجمان اخبار اور انجمن کی ضرورت ہے۔ ساگر مدھیہ پردیش کا ایک اہم مقام ہے۔ یہاں انجمن ترقی اردو کی شاخ کا ہونا بہت ضروری ہے۔

مجھے آپ یہ کہنے کی اجازت دیں کہ اردو کا مسئلہ ایک خالص ہندوستان کا لسانی مسئلہ ہے اس کو اگر کوئی فرقہ وارانہ کہتا ہے تو کہنے دیجئے پاکستان کے ایک حصہ مشرقی بنگال نے جہاں پر جوش بنگالی مسلمانوں کی بڑی اکثریت رہتی ہے۔ یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اس مسئلہ کا مذہب سے یا مسلمانوں سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو بنگالی مسلمان اردو کے مقابلے میں بنگالی زبان کو ترجیح نہ دیتے انجمن ترقی اردو کا کام بھی فرقہ وارانہ لائن پر چل رہا ہے۔ اس کے بھی پر جوش سرپرست سر سپرو آنجہانی تھے۔ تو آج پنڈت سندرلال جی ہیں

مرکزی حکومت اس کی امداد کرتی ہے۔ اس اسٹیٹ کی انجمن میں بھی ذمہ دار غیر مسلم حضرات ہندو عیسائی، پارسی، سکھ سب شریک ہیں ان تمام باتوں کے باوجود کوئی اگر کہتا ہے کہ یہ مسلمانوں کی زبان ہے تو اس کو جواب دیجئے کہ اگر ایسا ہی ہے تو کیا مسلمانوں کو اس دیس میں یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی زبان اور ثقافت کی حفاظت کریں یقیناً دستور نے ہم کو اپنے پرسنل لا اور ثقافت کی حفاظت کا حق دیا ہے اور دستور کی ۱۴ منظور زبانوں میں اردو بھی شامل ہے۔ اس لئے ہم اپنے دستور کے سچے وفادار ہیں۔ اہل نظر کا خیال ہے کہ ہندی کی ترقی کے لئے اردو کی بقا بھی ضروری ہے اور بقائے باہمی کے اصول پر ترقی کر سکتی ہے۔ ہندی سے میری مراد وہ نئی اور مشکل ہندی نہیں ہے جو رگھو ویری کہلاتی ہے بلکہ وہ ہے جو عام طور سے روزمرہ بولی اور سنی جاتی ہے اگر ایک خاص قسم کے لوگوں نے اس نئی بولی کے رواج پر زور دیا تو ہندی کتابی اور دفتری بن کر رہ جائے گی اور اردو ہندوستانی کا رواج عام ہو جائے گا۔ جو لوگ روز آنہ ریڈیو سنتے ہیں وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ لوگوں کی فرمائش پر روزانہ جو ریکارڈ بجائے جاتے ہیں وہ لوگوں کی خواہش اور پسند کے مطابق اردو ہندوستانی کے ریکارڈ ہوتے ہیں۔

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ سیٹھ حاجی محمد شفیع صاحب کی سرپرستی اور نگرانی میں ایک اردو اسکول چل رہا ہے اس اسکول کے ناظم جناب عبدالشکور صاحب انصاری جو بیمار ہونے کی وجہ سے اس اجتماع میں شریک نہ ہو سکے۔ یہ کوشش کر رہے ہیں کہ اس اسکول کو میونسپل کمیٹی کے حوالے کر دیں۔ میونسپل کمیٹی کے سکریٹری نے ان کو جواب دیا ہے کہ ہم اردو اسکول نہیں لینا چاہتے۔ بہرحال اس قسم کی باتوں سے مایوسی ضرور ہوتی ہے لیکن یہ حوصلہ چھوڑنے والی بات نہیں ہے۔ اپنی کوشش کو جاری رکھئے انشاءاللہ آپ کو ضرور کامیابی ہوگی۔

فاروقی صاحب نے آگے کہا کہ مجھے یہ سنکر خوشی ہوئی ہے کہ آپ جمعیت علماء کی شاخ یہاں قائم کر رہے ہیں اور اس کے لئے بہت جلد حضرت مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب یہاں تشریف لائیں گے اس کے باوجود بھی میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ انجمن ترقی اردو کا ایک الگ پلیٹ فارم بنائیں۔ جس سے مسلمانوں کے علاوہ اور دوسرے اردو دوست حضرات فائدہ اٹھا سکیں

جناب سیٹھ حاجی محمد شفیع صاحب کی تحریک پر اسی وقت چالیس سے زیادہ حضرات کے نام انجمن کی ممبری کے لئے لکھے گئے اور حاجی صاحب کو اس انجمن کا کنوینر بنایا گیا جو چند روز کے بعد بڑا جلسہ بلا کر انجمن کی شاخ کی بنا ڈالیں گے

بمبئی

بمبئی ۲۴ اگست۔ کل شام کو ۶ بجے انجمن اسلام ہال میں انجمن ترقی اردو شاخ بمبئی کا گیارہواں جلسہ ہوا اس جلسے میں انجمن کی سالانہ رپورٹ پیش کی گئی نیز حسابات کا گوشوارہ منظور کیا گیا جلسہ کی صدارت جناب نور محمد احمد صاحب نے فرمائی۔ نئے سال کے لئے عہدیداروں اور مجلس منتظمہ کے اراکین کی تفصیل درج ذیل ہے۔ تمام انتخابات اتفاق رائے سے منظور ہوئے

صدر:۔ جناب حاجی نور محمد احمد صاحب۔

نائب صدر:۔ محترمہ صفیہ ذیبر صاحب

جنرل سکریٹری مدن موہن کالیہ صاحب

نائب سکریٹری:۔ شیخ عبدالقادر صاحب

خازن:۔ جناب دلیسنوی صاحب

انجمن کے جنرل سکریٹری مدن موہن کالیہ صاحب نے انجمن کے پچھلے سالانہ جلسے کی رپورٹ سنانے کے بعد پچھلے سال کی کارکردگی کی مختصر رپورٹ پیش کی جس میں بتایا کہ ۲۴ جون ۱۹۵۴ء کو موجودہ مجلس منتظمہ کا انتخاب ہوا تھا۔ سالانہ انتخابات کے بعد فوراً انجمن کے سال بھر کے پروگرام کا ایک خاکہ تیار کیا گیا جس میں انجمن کی دسویں سالگرہ منانے کا پروگرام بہت اہم تھا۔ منتظمہ نے طے کیا کہ یہ جشن اس طریقے سے منایا جائے کہ اردو کی ہردلعزیزی کے لئے شہر میں مناسب ماحول پیدا ہو چنانچہ ۱۸ دسمبر کو شہر کے سرسی۔ جے ہال میں ایک ادبی جلسہ کیا گیا جناب پروفیسر محی الدین قادری صاحب نے خطبہ صدارت پڑھا اور شری مرارجی ڈیسائی، شری بی۔ جی کھیر، پنڈت سندرلال جی، قاضی عبدالغفار صاحب، شری ڈنکر راؤ اور ما آنجہانی شری کشن پرشاد کول کی طرف سے پیغامات موصول ہوئے تھے۔

جنرل سکریٹری نے سال کے دوران میں کرائے گئے مختلف جلسوں کے تذکرہ کے بعد اپنی رپورٹ میں بتایا کہ انجمن اسلام ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کو امسال بمبئی یونیورسٹی نے پی۔ ایچ۔ ڈی کی تعلیم کے لئے منظور کیا تھا۔ اس سلسلے میں انجمن اسلام ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے لئے لازمی ہے کہ وہ دو فیلوز کا تقرر کرے جو پورا وقت دے کر ریسرچ کریں۔ انجمن اسلام کی طرف سے ایک درخواست شروع ہونے پر انجمن ترقی اردو شاخ بمبئی نے چند شرائط کے ماتحت مبلغ ہزار روپے کی مالیت کے تمسکات انجمن اسلام کو دئیے ہیں فیلوز کا تقرر حسب ذیل کے تحت ہوگا۔

(۱) انجمن اسلام اس روپے سے اردو سے متعلقہ موضوعات پر ریسرچ کرنے کے لئے دو فیلو شپ انجمن اسلام ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام قائم کرے۔

(۲) فیلو کی کم از کم قابلیت یہ ہو کہ وہ بمبئی یونیورسٹی یا کسی دیگر یونیورسٹی سے اردو میں اول درجے میں کامیاب شدہ ایم اے ہو البتہ اول درجے میں کامیاب شدہ امیدوار نہ مل سکے تو دوسرے درجے میں کامیاب شدہ امیدوار کی درخواست پر بھی غور کیا جائے گا۔

(۳) فیلوز کا تقرر ان قوانین و ضوابط کے ماتحت ہوگا جو انجمن گاہے گاہے منظور کرے۔

(۴) انجمن اسلام ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی مجلس منتظمہ پر انجمن ترقی اردو شاخ بمبئی کی طرف سے نامزد کیا ہوا ایک نمائندہ رہے گا

(۵) فیلو شپ کا نام "انجمن ترقی اردو (بمبئی) فیلو شپ آف اردو ریسرچ" ہوگا۔

(۶) انجمن اسلام اپنی سالانہ رپورٹ اور دیگر متعلقہ کاغذات اور مطبوعات میں فیلو شپ کے نام کا حوالہ کرے گی۔ اس فیلو شپ کے سلسلے میں جناب مدن موہن کالیہ کو انجمن اسلام ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی مجلس عاملہ پر انجمن ترقی اردو شاخ بمبئی کا نمائندہ نامزد کیا گیا ہے۔

جنرل سکریٹری کی رپورٹ میں انجمن کی رکنیت میں اضافہ کا تذکرہ کیا گیا تھا بعد ازاں رپورٹ میں بتایا گیا کہ اردو کی ترویج و ترقی کے مقصد کے حصول کے لئے اپنائے گئے طریقوں میں دارالمطالعہ کو خاص اہمیت حاصل ہے جو انجمن ترقی اردو شاخ بمبئی کی طرف سے چلایا جارہا ہے۔ یکم اگست ۱۹۵۵ء کو اس کا افتتاح شری تیتی میرین کیٹر نے کیا تھا۔ ڈونگر روڈ بمبئی ۸ پر احمد سیلر بائی اسکول کی عمارت میں یہ دارالمطالعہ ہر شام کو دو گھنٹے تک کھلا رہتا ہے اردو کے اکثر معیاری رسائل اور بمبئی کے روزنامے مطالعہ کے لئے رکھے جاتے ہیں۔ دارالمطالعہ میں ایک رجسٹر رکھا ہوا ہے جس پر ہر وہ شخص دستخط کرتا ہے جو وہاں جاتا ہے۔ سال ۵۵-۱۹۵۴ء کے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ ۔ ہزار سے بھی زائد افراد نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ اس دارالمطالعہ کی دیکھ ریکھ جناب انصار علی صاحب کے ذمہ ہے۔

صدر انجمن جناب نور محمد احمد صاحب نے اپنی مختصر سی تقریر میں اردو کے مختلف النوع مسائل پر بالعموم اور انجمن ترقی اردو شاخ بمبئی کے مسائل پر بالخصوص روشنی ڈالی۔ آپ نے فرمایا

ایسے مخلص کارکنوں کی اشد ضرورت ہے جو زبان کی حفاظت اور ترقی اور ترویج کے لئے بے لوث کام کر سکیں۔ انجمن کے پاس جو سرمایہ ہے وہ دارالمطالعہ کے لئے وقف کردیا جانا چاہئے اور دیگر سرگرمیوں کے لئے حصول زر کی کوشش کی جانی چاہئے آپ نے اردو دوست احباب کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ انجمن ترقی اردو شاخ بمبئی ان کے تعاون کی شکر گزار ہے۔

جناب سید شہاب الدین دسنوی صاحب نے صدر جلسہ کا شکریہ ادا کیا اور جلسہ برخاست ہوا۔

جے پور

احترام الدین احمد صاحب سکریٹری شاخ جے پور اپنی ایک رپورٹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

انجمن ترقی اردو ہند کی شاخ جے پور میں ۲۰ مارچ ۱۹۵۴ء کو قائم ہوئی اس وقت سے اب تک کی کارروائیوں کا مختصر حال حسب ذیل ہے:-

(۱) عام دلچسپی کے زیر اثر اور بقا و وسعت زبان اردو کی بنا پر تین مشاعرے کئے گئے۔ دو بہ موقع یوم آزادی ۱۵ اگست ۱۹۵۴ء اور ۱۵ اگست ۱۹۵۵ء کو۔ یہ دونوں مشاعرے اس لحاظ سے بھی نہایت شاندار و کامیاب رہے کہ مجمع کثیر تھا۔ اور اس حیثیت سے بھی کہ ان کی صدارت راجستھان کے وزیر اعلیٰ نے کی تھی۔ نیز اس بنا پر بھی کامیابی ہوئی کہ شعرا و سامعین نے بے حد دلچسپی لی اور شعرا نے تعاون کیا۔

تیسرا مشاعرہ انجمن کے سالانہ جلسے پر بتاریخ ۱۰ اپریل ۱۹۵۵ء جے پور کے مسلم الثبوت استاد مولانا آثم کے اعزاز میں ہوا۔ یہ بھی اچھا اور کامیاب رہا۔ البتہ ان بزموں کی افادیت ہنگامی و وقتی جوش و خروش سے آگے نہ بڑھ سکی۔ کیونکہ کوئی خاص جذبہ دو لود ترقی زبان کے متعلق پیدا نہ ہوا۔ نہ کوئی مستقل پروگرام مرتب ہوا۔

(۲) شہر جے پور کے مختلف مقامات پر چار شبینہ مدارس بھی جاری کئے گئے جن میں تعلیم بالغان پر بھی کافی زور دیا گیا تھا۔ ان مدارس کے طلبہ و طالبات کی مجموعی تعداد ۱۰۲ تھی۔ مگر چند ہی ماہ سے زیر جاری رہنے کے بعد اس وجہ سے بند ہوگئے کہ تمام اساتذہ بلا معاوضہ خدمت انجام دے رہے تھے جن میں سے بعض نے مزید عرصہ اس طرح خدمت انجام دینا منظور نہ کیا۔ بیشتر طلبہ نادار و قابل امداد تھے جن کو اگرچہ کتاب، کاغذ اور قلم دوات وغیرہ انجمن کی کوشش سے اہل خیر اصحاب نے بہم پہنچادیں۔ مگر مستقل مشاہروں یا طلبہ کے وظیفوں کا کوئی انتظام نہ ہو سکا۔ اس کے علاوہ تعلیم اردو کی کوئی منزل مقصود ان کے پیش نظر نہ تھی بجز "مادری زبان" کی خدمت کا جذبہ زیادہ دیر پا ثابت نہ ہوا۔ ذی استطاعت طلبہ نے یا جن کو اردو سے واقعی دلچسپی ہے۔ اپنی تعلیم کا انتظام بطور خود کر لیا۔ مگر نادار طلبہ کے لئے یہ ممکن نہ تھا۔ اس لئے ایسے طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد رکی اور آخر تمام کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔ البتہ:-

(۳) "اردو کالج" جے پور سے انجمن کا قریبی تعلق مفید ثابت ہوا جس میں اس کے یوم قیام سے اب تک حسب تفصیل ذیل طلبہ نے جامعہ اردو علی گڑھ کے امتحانات کی تعلیم پائی اور کامیابی حاصل کی ان میں طالبات بھی شامل ہیں اور یہ کالج اپنی خاموش خدمات برابر انجام دے رہا ہے۔ اب بھی ۵۳ طلبہ اس میں زیر تعلیم ہیں جو اس سال شریک امتحان ہوں گے۔

درجہ	کل تعداد طلبہ	کامیاب	ناکام
ادیب	۵۷	۴۲	۱۵
ادیب ماہر	۵۳	۳۵	۱۸
ادیب کامل	۱۰	۹	۱
میزان	۱۲۰	۸۶	۳۴

اسی طرح "فیضان کالج" جے پور سے بھی انجمن کا رابطہ ہے جس کے طلبہ جامعہ مذکور ہی کے امتحان دیتے ہیں اس کے نتائج حسب ذیل ہیں۔

کل طلبہ	۳۳
کامیاب	۲۳
ناکام	۱۰

اس ادارے میں اس وقت ۵۲ طلبا و طالبات [illegible] تعلیم پا رہے ہیں۔

ان امتحانات کے علاوہ انجمن ہذا ہی کی کوشش سے پنجاب یونیورسٹی کے اردو امتحانات میں بھی ۹ طلبا و طالبات نے شرکت کی جن میں سے سات نے کامیابی حاصل کی۔

شہر جے پور کے دیگر اداروں میں اردو کے طلبا کی تعداد مجموعی طور پر پندرہ سو ایک (۱۵۰۱) ہے۔

(۴) انجمن ہذا کی کوشش سے حسب ذیل چار مزید شاخیں بھی راجستھان میں قائم ہوئیں۔

(۱) دھول پور (۲) مال پورہ (۳) سانبھر اور (۴) سوائی مادھو پور

مگر ان شاخوں کی جانب سے مقامی دشواریوں کے باعث ہنوز کوئی تعمیری کام نہ ہو سکا جس کا انجمن ہذا کو احساس ہے اور عنقریب کوئی موثر قدم اٹھایا جائے گا۔

(۵) انجمن ہذا نے ایک روزانہ اخبار "نئی روشنی" ماہ جنوری ۱۹۵۵ء میں جاری کیا۔ مگر یہ مرحوم اخبار پورے تین ماہ کی عمر بھی نہ

پاسکا اور بند ہو گیا جس کا بڑا سبب اپنا یا کوئی اور معیاری اپریس جے پور میں نہ ہونا تھا۔ آج بھی اردو کے ایک مقامی روزنامے کی اشد ضرورت محسوس کی جاتی ہے اور کافی امنگ اور دلچسپی باقی ہے۔

(۲) اسی عرصے میں جے پور کی علمی و ادبی اردو کی ایک تاریخ بھی "تذکرۂ شعرائے جے پور" کے نام سے ضخیم تصنیف مکمل کی گئی ہے جو یہاں کی گزشتہ و موجودہ ادبی دنیا کا ایک مکمل مختصر جائزہ ہے جس کی طباعت کا سوال درپیش ہے۔

اسنگرام، جمشید پور جمشید پور ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ سارے ایشیا میں اپنی نوعیت کا یکتا شہر ہے۔ یہاں ہندوستان کے دوسرے صوبے کے لوگوں کی آبادی ۹۹ فیصدی ہے اور یہاں کے اصلی باشندے اداؤں پہاڑوں میں اور جنگلوں میں رہتے ہیں اب کچھ تعلیم یافتہ افراد اس شہر میں بھی آنے لگے ہیں چونکہ بیرونی مشنریاں اپنی تعلیمی پروگرام کے تحت انھیں بہت کچھ آگے بڑھا چکی ہیں ان کا لیڈر جے پال سنگھ ایک کرسچین ہے۔ اس قوم میں جسے آدی باسی بھی کہتے ہیں اردو کے خلاف کوئی جذبہ نہیں۔ اسی لئے سابق سکریٹری انجمن ڈاکٹر عبدالحق صاحب کی توجہ کا مرکز یہ شہر ہمیشہ رہا وہ خود یہاں تشریف لائے اور ان کے خاص نمائندے اس شہر میں مقیم رہے۔ رانچی میں ڈاکٹر عبدالحق اردو مڈل اسکول قائم کیا گیا جو تقسیم کے بعد سہیل عظیم آبادی کے چلے جانے سے بند ہو گیا۔ تقسیم کے بعد یہاں اردو کی خدمت جس قدر کی گئی ہے وہ ہندوستان کے کسی واحد شہر میں نہ ہو سکی ہوگی۔ اس وقت ساڑھے چار اسکول اردو کے قائم ہیں جو صاحب دولت حضرات کی جیب خاص سے چل رہے ہیں۔

کریمیہ ہائی اسکول (اردو) قائم شدہ ۱۹۴۹ء لڑکوں کی تعداد (۹۰۰) لڑکیوں کی تعداد (۳۰۰)۔ کیمپ مڈل اردو اسکول میں بچوں کی تعداد (۵۰۰) بچیاں (۳۵۰)۔ اردو فیض العلوم میں بچے (۲۰۰) بچیاں (۱۹۰) ماموں باسہ اردو ال پی اسکول بچے (۱۸۰) بچیاں (۹۲)

یہ وہ اسکول ہیں جو کمپنی اور یونیورسٹی سے ان کو گرانٹ ریکوگنائزڈ ہیں۔ ان کے علاوہ بھی تقریباً دو درجن مکاتب اس شہر میں قائم ہیں۔ جہاں اردو تعلیم ہوتی ہے۔ ان اسکولوں کے قیام کی واحد وجہ اردو کی سرگرمی ہے یہاں ہر سال بڑی بڑی کانفرنسیں اور کل ہند مشاعرے منعقد ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں مشاعرے بہت زیادہ کامیاب ہوتے ہیں چونکہ سکھ حضرات اس سے بہت زیادہ دلچسپی لیتے ہیں اور مالی امداد کرتے ہیں فی الحال کمپنی کے اسکولوں میں اردو کی حالت نازک ہو گئی ہے اور کلاس بند ہو رہے ہیں چونکہ مسلم لڑکے اپنی اسکیموں کے تحت ان اسکولوں میں آ رہے ہیں اور سکھ اور دوسری قومیں اردو زبان سے غفلت برت رہی ہیں۔

اردو کی خبریں

لکھنؤ ادارہ فروغ اردو لکھنؤ کے اراکین نے زبان دانی کے مقابلے کا ایک مفید اور معلوماتی سلسلہ شروع کیا ہے جس کی شرطیں حسب ذیل ہیں

جوابات میں انگریزی، عربی، فارسی یا کسی دوسری زبان کا کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں کیا جائے گا جو اردو کی لغات میں نہ پایا جاتا ہو۔

دو سے زائد مترادف الفاظ کا شمار ایک بار کیا جائے گا۔

انعام پانے والوں کے نام رسالہ فروغ اردو میں شائع کئے جائیں گے

مدیر صاحب رسالہ فروغ اردو کا فیصلہ ناطق سمجھا جائے گا۔

مقابلے میں شریک ہونے کے لئے فیس داخلہ یا کسی قسم کے ٹکٹ وغیرہ بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف اس کوپن کا بھیجنا ضروری ہے جو ہر ماہ رسالہ فروغ اردو میں زبان دانی کے مقابلے کے عنوان سے شائع ہوتا رہتا ہے۔ خط و کتابت کا پتہ یہ ہے۔ منیجر صاحب زبان دانی کا مقابلہ۔ رسالہ فروغ اردو ۲۶ امین آباد پارک لکھنؤ۔

علی گڑھ ۲۷ اگست۔ معلوم ہوا ہے کہ ایک امریکی تاجر مولانا احمد بخاری نے جو اراکان (برما) میں تجارت کرتے ہیں۔ علی گڑھ یونیورسٹی کو شعبۂ اردو میں ایک مخصوص چیئر قائم کرنے کے لئے ۲۵ ہزار روپے کا عطیہ دیا ہے جس کے ذریعہ اردو پر تحقیقات کا کام کیا جائے گا اور جس کے لئے ایک ریسرچ پروفیسر مقرر کیا جائے گا۔

کہا جاتا ہے کہ یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد اس سلسلے میں لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے ریڈر آل احمد سرور سے اس جگہ پر آنے کے لئے بات چیت کر رہے ہیں خیال ہے کہ سرور صاحب اس شعبے میں پروفیسر مقرر کئے جائیں گے۔

اس شعبہ کو ڈاکٹر سید حسین کی یادگار میں ان ہی کے نام سے منسوب کیا جائے گا۔

اردو اور کانگریس

(وزیر اعظم ہند کے نام ایک کھلا خط)

فضیلت مآب! تسلیم

آپ کے عظیم الشان دورۂ روس اور اس کے دوررس نتائج کا اعتراف شاید مستقبل خود اپنی زبان سے کرے، تاہم جو نکات عالمی ذہنی سیاست میں آپ کے نقطۂ نظر اور مقصد کے طور پر اجاگر ہوئے ہیں وہ یہ کہ باہمی بقا ہے، دو قوموں، دو طرز ہائے زندگی، دو نظام ہائے حکومت اور دو طرز ہائے فکر کے درمیان۔ یہ اصول صرف سیاسی، معاشی یا تجارتی میدان میں ہی نہیں بلکہ معاشرتی تعلقات میں بھی ایک فراخی کا مظہر بن گیا ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ جس طرح ایک فرد کو دوسرے فرد، ایک طبقے کو دوسرے طبقے، ایک فرقے کو دوسرے فرقے اور ایک قوم کو دوسری قوم کے وسائل حیات محدود کرنے، آزادی کو متاثر کرنے، اندرونی معاملات چاہے وہ سماجی ہوں یا مذہبی، تعلیمی ہوں یا عمرانی، مداخلت بیجا کا کوئی حق نہیں اور ان کا ایک دوسرے پر غلبہ پانے کی کوشش کرنا بین الاقوامی قانون اور تقاضائے انسانیت کے منافی ہوگا۔ اسی طرح اگر انسانوں کا ایک گروہ کسی زبان کو بولتا اور سمجھتا ہے تو اسے کسی بھی ملک میں اور کوئی بھی دستور کیوں نہ ہو اپنی زندگی کے روزمرہ کاموں میں اس زبان کے آزادانہ بغیر مجبور استعمال کا پیدائشی حق حاصل ہونا چاہئے اور دستور حکومت کو اس حق کا محافظ ہونا چاہئے۔

مجھے راست طور پر کہنے کی اجازت دیجئے کہ گزشتہ آٹھ سالوں میں ہندوستان میں اردو کے ساتھ جو سلوک ہوا ہے وہ بین الاقوامی قانون اور آپ کی جمہوری و منصفانہ سیاست کے خلاف ہی نہیں بلکہ آپ کے خیالات، معاہدات اور مقاصد کے عین منافی ہے۔ تاشقند میں آپ نے اردو میں پیش کردہ سپاس نامے کا اردو میں جواب دیا جو فضیلت سے قطع نظر اس بات کا مظہر ہے کہ آپ اردو سے انصاف کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔

کانگریسی جماعت، مرکزی حکومت کے بیشتر محکمے اور ریاستی حکومتیں اردو دشمنی کے جرم کا پابندی سے ارتکاب کرتی آ رہی ہیں۔ کسی زبان کو دبا کر معدوم کرنے کی ایسی کوشش اقوام متحدہ، انسانی حقوق کا اعلان نامہ اور جینوسائڈ کنونشن کی خلاف ورزی ہے جس پر ہند نے بھی دستخط کئے ہیں۔ یہ (لسانی استحصال) آپ کے غیر مذہبی [illegible] پر ایک بدنما داغ بن کر رہ جائے گا۔

آزادی سے پہلے ریل کا سفر کرنے والے جانتے ہیں کہ عوام کی سہولت کے پیش نظر انگریزی حکومت اپنی تمام نوٹیس، سائن بورڈ اور اسٹیشنوں کے نام اردو، انگریزی اور کسی مقامی زبان میں لکھواتی تھی۔ لیکن اب اردو [illegible] میٹ دئے گئے یا مٹا دئے گئے ہیں، جس کے معنی یہ ہوئے کہ حکومت کو اب عوام کی سہولت سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ بیس لاکھ دستخطوں والا محضر ابھی تک صدر جمہوریہ کی نظر عنایت کا منتظر ہے۔ یہ پراسرار خاموشی اس بات کا اشارہ ہے کہ حکومت جمہور کے منشا کو پورا کرنا اپنا اخلاقی فریضہ نہیں سمجھتی یا پھر کسی خاص طبقہ کو سماجی و علمی میدان میں آگے بڑھنے سے روکنے کی خواہاں ہے۔ اگر دوسری بات رنگ ہے تو مجھے یہ کہنے دیجئے کہ "بھارت کے مسلمان" کے عنوان سے ایک ڈاکومنٹری فلم بنا کر نہ ہی ساڑھے چار کروڑ مسلمانوں کا دل موہ لیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ہند کے باہر رہنے والوں کو غلط فہمی میں مبتلا کیا جا سکتا ہے۔ ساڑھے چار کروڑ انسانوں کی زبان کی بقا کا مسئلہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں۔ اس بنا پر تو ریاستیں قائم ہو سکتی ہیں اور ہو رہی ہیں۔ بہت کم یورپی سلطنتیں ایسی ہیں جن کی آبادی اردو جاننے والوں کی مجموعی تعداد کے برابر ہو۔ آپ کو معلوم ہے کہ سوئٹزرلینڈ میں پچاس ہزار لوگ کسی بات پر متفق ہو جائیں تو وہ بات ملک کا قانون بن جاتی ہے۔ لیکن ہماری جمہوریہ میں لاکھوں انسانوں کی پکار صدا بصحرا ہو جاتی ہے۔

دورۂ روس کے بعد سے آپ نے انسانوں اور قوموں کے بارے میں احسان سے انصاف کی ضرورت کی بابت بہت کچھ کہا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ خود اپنے ملک میں ایک مظلوم سے انصاف کریں۔

اردو کے متعلق آپ کے رویے کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ہم نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ آپ کی شخصیت عالمی تنازعات کی کسوٹی کا ذریعہ بن سکی لیکن ایک زبان کے حق کے حصول میں معاون نہ ہو سکی۔ اب جب کہ آئندہ انتخابات قریب آ رہے ہیں تو آپ کو حسب ذیل باتوں پر غور کرنا ہوگا جو نہ صرف اردو سے عملی دلچسپی کا ہی ثبوت دیں گے بلکہ مستقبل میں کانگریس سے مسلمانوں کے ربط و تعلق کی نوعیت کا فیصلہ کریں گے اور آئندہ انتخابات میں مسلمانوں کی اجتماعی روش کا تعین بھی۔

(۱) اس حقیقت کا اعتراف کہ آزادی کے بعد سے اب تک اردو کے تحفظ اور بقا کے سلسلے میں کانگریسی حکومت نے عملاً کچھ نہیں کیا۔

(۲) پریس کمیشن کی رپورٹ کی رو سے اردو صحافت ملک کی قدیم ترین اور موثر ترین صحافت ہے اور اسے کبھی بھی حکومتی اعانت اور [illegible] حاصل نہیں ہوئی بلکہ بعض اخبارات کو سرکاری اشتہارات بھی نہیں دئے گئے۔ کسی بھی قسم کی ہمت افزائی سے گریز کیا گیا جبکہ دوسری زبانوں کے

صحافیوں کو کچرل وفود اور دیگر متعددین کے ہمراہ اندرون یا بیرون ملک نمائندگی کا موقع دیا گیا۔

(۳) قومی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کا خواب اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک کہ اقلیتیں اپنی زبان کو غیر محفوظ اور اس کے مستقبل کو غیر آئینی محسوس کرتے ہیں۔

(۴) اردو دشمنی کر کے کانگریس نہ صرف ہندو مسلم اتحاد اور مشترکہ ثقافت کے نظریے کو پاش پاش کر دے گی بلکہ قائد اعظم جناح کے پاکستان کے مطالبے کی واجبیت اور صداقت کو بار بار ثابت کرتی رہے گی۔

(۵) اردو نے آزادی کے حصول میں دوسری بیشتر زبانوں سے زیادہ حصہ لیا ہے کیونکہ اس کے ادب میں علاقائی تصورات و جذبات نہیں ہیں بلکہ وہ ایک کل ہند ذہن کی تشکیل کرتا ہے گاندھی جی نے تحریک آزادی کو کونے کونے میں پھیلانے کے لئے اردو کا سہارا لیا اور ۱۹۲۰ء میں اردو کی مشق شروع کی کانگریس کو کانگریس بنانے والے اور نیشنل کانگریس کا روپ دینے رکھنے والے آزاد اردو کے منفرد ادیب ہیں۔ بھگت سنگھ شہید اردو کے شاعر تھے سپرو اور لاجپت رائے، رتن ناتھ سرشار اور چکبست اسی اردو ہی کے ستارے ہیں۔ اردو کے ساتھ سوتیلی ماں کا سا سلوک اس تہذیبی سرمایہ سے ہاتھ دھونے کے مماثل ہے۔

(۶) لہٰذا ان تمام مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ ضروری ہے کہ پنجاب، دہلی اور حیدرآباد میں اردو زبان کی علاقائی حیثیت کو تسلیم کر لیا جائے جس کے پیچھے نہ صرف تاریخی ثبوت موجود ہیں بلکہ معاشرتی و سیاسی رد و بدل میں کئی بار اس کا اظہار بھی ہو چکا ہے۔

(۷) آئندہ انتخابات میں کانگریس سے تعاون کی واحد شرط جس میں کسی قسم کا تنزل یا کمی ممکن نہیں یہ ہے کہ کانگریس حیدرآباد، دہلی اور پنجاب میں اردو کو علاقائی زبان مان لے اور ان دوسرے صوبوں میں جہاں اردو بولنے والے عوام کی تعداد معقول ہو تعلیم و ملازمت کی سہولتیں مہیا کی جائیں۔

(۸) لسانی صوبجات کی تشکیل کی صورت میں اردو کا یہ موقف تسلیم ہونے پائے اور ہر طرح سے اس کے تحفظ کی کوشش کی جائے۔

(۹) یہ کام ہندی کے اشاعتی کام کی راہ میں حائل نہیں لہٰذا اس بہانے کا بھی سہارا نہیں لیا جا سکتا۔

امید کہ آپ سنجیدہ غور و فکر کے بعد ادھر کے سلوک کی اصلاح تسلیم کریں گے۔

حمید الدین محمود۔ حیدرآباد دکن ۱۵

تبصرے

الف لیلیٰ با تصویر جلد اول، دوم، سوم اور چہارم قیمت پانچ روپے۔ ملنے کا پتہ:- راجہ رام کمار بک ڈپو۔ نول کشور پریس لکھنؤ۔

الف لیلےٰ مشہور کتاب ہے۔ جس کو راجہ رام کمار صاحب وارث نول کشور پریس نے اپنے اہتمام میں تیرھویں بار شائع کیا ہے کتابت، طباعت معقول، کاغذ بہتر۔ سائز ۲۰×۲۶ حجم ۵۷۰ صفحے

شہریات محمد رحمت علی صاحب ایم۔ اے بی ایڈ عثمانیہ لکچرار سیاسیات ایوننگ کالج عثمانیہ یونیورسٹی کی قابل قدر تالیف ہے جو انٹرمیڈیٹ کے طلبہ کے لئے انھوں نے شائع کی ہے۔

شہریات کی تعریف کے ساتھ ساتھ انسان کی اجتماعی زندگی اور شہریوں کے حقوق اور فرائض نیز قانون اور دستور کی تفصیل کے ساتھ اظہار خیال کیا گیا ہے جس کی وجہ سے کتاب کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

شہریات کے موضوع پر اردو میں بہت کم لکھا گیا ہے اس لئے طلبہ کے علاوہ دوسرے لوگ بھی اس کے مطالعہ سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ قیمت فی جلد سکۂ ہند تین روپے

ملنے کا پتہ:-

سنٹرل پبلشرز۔ عابد روڈ۔ حیدرآباد دکن

الحسینؓ شہید انسانیت حضرت امام حسینؓ کی سیرت اور شہادت کا تذکرہ ہے جس کو عربی زبان کے نامور مصنف ابو الفضل نے بہت سی عربی اور یورپی تصنیفات کو سامنے رکھ کر مرتب کیا ہے۔

اصل کتاب عربی زبان میں ہے جس کا ترجمہ مکتبہ جدید لاہور نے بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے، اور یہ کتاب مکتبہ کے اس مفید سلسلے کی پہلی کڑی ہے جس کو اس نے اسلامی تاریخ و سوانح کے عنوان سے شروع کیا ہے۔

کتاب خوبصورت ٹائپ میں اعلیٰ قسم کے کاغذ پر چھاپی گئی ہے اور سرورق ایسا جاذب نظر بنایا گیا ہے جس پر نظر پڑتے ہی کربلا کی خونی تاریخ سامنے آ جاتی ہے۔

مکتبہ جدید نے اپنی مطبوعات کا جو معیار اور حسن قائم کیا ہے یہ کتاب اس کی دستاویز ہے۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے

ملنے کا پتہ:- مکتبہ جدید۔ لاہور۔

اردو ساہتہ کا اتہاس

ہندی کے رسالہ نیا پتھ نے سید احتشام حسین صاحب کی تازہ ہندی تصنیف پر حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے۔

" ہندی دنیا میں، اردو ادب کے متعلق ہمیشہ سے گہری دلچسپی رہی ہے۔ شری رام نریش ترپاٹھی کی " کویتا کومدی " حصہ سوم سے لیکر دیو دیما پرشاد گوئل کی " شعر و شاعری " اور " شعر و سخن " تک کی مختلف مطبوعات اس کے ثبوت ہیں۔ شری اپیندر ناتھ اشک کی " اردو کاویہ کی نئی دھارا " سے اردو شاعری کا اچھا تعارف ہو جاتا ہے۔ لیکن اردو شاعری کی سلسلہ وار تاریخ کی کمی پروفیسر احتشام حسین کی کتاب " اردو ساہتہ کا اتہاس " سے پوری ہو رہی ہے۔

پروفیسر احتشام حسین اردو کے مخصوص تنقید نگاروں میں سے ایک ہیں۔ انھوں نے کافی متوازن طریقے سے سماجی اور تاریخی پس منظر میں اردو کے ادب پر روشنی ڈالی ہے۔ انھوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ اردو کی مختلف طرزوں کا تعارف کرایا ہے۔

اردو کی پیدائش دلی کے آس پاس کھڑی بولی سے ہوئی لیکن اس میں ادب کی زبردست تخلیق سب سے پہلے دکن میں ہوئی اسی لئے جہاں ہندوی کہا جاتا تھا وہاں دکنی یا دکھنی بھی۔

اٹھارھویں صدی عیسوی میں اردو شمال میں خاص کر دلی اور اودھ میں پھولی پھلی۔ اس کا بھی ایک سبب تھا۔ عوام سے بے تعلق رہ کر مطلق العنانی سے حکومت کرنے والے مغل حکمران عربی فارسی کو اپنی زبان مانتے تھے۔ لیکن جیسے جیسے مغل حکومت کمزور ہوتی گئی، ان کا رعب داب کم ہوتا گیا اور اردو شاعری نے دلی میں پاؤں جمایا۔ محمد شاہ ۱۷۱۹ء کے زمانے میں اسے شاہی دربار میں بھی کسی قدر عزت ملی۔

دلی کی حکومت کمزور ہونے پر سب سے زیادہ با اثر حکومتی مرکز اودھ تھا۔ یہاں کے نواب اسے دلی کا نمونہ بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ انھوں نے اردو کی سرپرستی کی اس طرح دہلی اور لکھنو اردو کے دو مرکز بن گئے۔

ان دونوں مرکزوں سے دور آگرہ میں نظیر اکبر آبادی کے تو بھڑ اسلوب نے جنم لیا جن کی زبان اور جن کی شاعری میں ہندستانیت بہت زیادہ ہے۔ دلی میں مغل حکومت کے آخری زمانے میں ذوقؔ، مومن، غالب اور خود بادشاہ ظفر جیسی ہستیوں نے جنم لیا۔

قریب قریب ہندی نثر کے ساتھ ہی ساتھ اردو نثر کی بھی پیدائش ہوئی۔ انگریزی دور حکومت کی نئی بیداری کے زمانے میں شاعر اعظم حالیؔ، مولانا شبلیؔ، اکبر الہ آبادی، برج نرائن چکبست، ڈاکٹر اقبال جیسے مشہور شاعر پیدا ہوئے۔

قومی بیداری کے ساتھ اردو میں قومی نظموں اور ترقی پسند ادب کا جنم ہوتا ہے۔ آج اردو کے افسانے، ناول، شاعری، ناٹک سبھی ترقی پسند خیالات سے بھرپور ہیں۔ مصنف نے آخر میں کہا ہے۔

" اردو ادب کی ترقی بھارت کی سماجی اور تمدنی ترقی سے وابستہ رہی ہے۔ اس میں غلطیاں اور کمیاں بھی رہی ہیں مختلف ترقی پسند تیزی پسند اور رجعت پسند خیالات میں باہم جنگ بھی رہتی ہے مختلف جماعتوں اور مذہبوں کے مصنفوں نے اس کی پونجی بڑھائی ہے۔ اس نے ہمیشہ ہی غلامی کے مقابلے میں آزادی کا، بے انصافی کے مقابلے میں انصاف کا، تنگ نظری کے مقابلے میں مزاج حوصلگی کا، سختی کے مقابلے میں نرمی کا اور عدم مساوات کے مقابلے میں مساوات کا ساتھ دیا ہے "

ہمیں یقین ہے کہ اردو کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے پروفیسر احتشام حسین کی یہ پستک بہت زیادہ کار آمد ثابت ہوگی۔

ہندوستانی سماجیات

اس کتاب میں ہندوستانی سماج کی سرگذشت بیان کی گئی ہے اور سماج سدھار کے مسائل پر تنقیدی تشریح کے ساتھ ساتھ اس کی ضرورت، اہمیت اور افادیت پر بھی بحث کی گئی ہے

اس کتاب کے مرتب ڈاکٹر جعفر حسین پروفیسر جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن ہیں جو عمرانیات کے عالم اور اس موضوع پر لکھنے والوں میں بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ کتاب کی افادیت مسلم ہے۔

(قیمت مجلد چار روپے آٹھ آنے)

پرنٹر پبلشر قاضی عبدالغفار نے نیشنل پرنٹرس کاپنی میں چھپوا کر مرکزی انجمن علی گڑھ سے شائع کیا۔